سود میں نئے مباحث کا اضافہ

از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی

(قسط : پنجم)

اصلاح کی عملی صورت

پچھلے صفحات میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ سود خواہ کسی نوعیت کا ہو بہرحال وہ انسانی تمدن و معیشت میں سراسر ایک تخریبی طاقت ہے اور ان اہم ترین اسباب میں سے ہے جو ہماری اخلاقی و مادی زندگی میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اسکے بعد کسی معقول آدمی کو یہ ماننے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ ایک صالح معاشرے میں سود کو حرام ہونا چاہئے۔ اب صرف آخری سوال باقی رہ جاتا ہے جس کا ہمیں جواب دینا ہے، وہ یہ ہے کہ "کیا فی الواقع سود کو ساقط کرکے ایک ایسا نظام مالیات قائم کیا جا سکتا ہے جو موجودہ زمانے میں ایک ترقی پذیر معاشرے اور ریاست کی ضروریات کے لئے کافی ہو؟"

چند غلط فہمیاں اس سوال پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ بعض ایسی غلط فہمیوں کو صاف کر دیا جائے جو نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ عملی اصلاح کے ہر معاملہ میں لوگوں کے ذہنوں کو الجھایا کرتی ہیں

سب سے پہلی غلط فہمی تو وہی ہے جس کی بنا پر مذکورہ بالا سوال پیدا ہوا ہے۔ کسی چیز کو غلط تسلیم کر لینے کے بعد لوگوں کا یہ پوچھنا کہ "کیا اس کے بغیر کام چل بھی سکتا ہے؟" اور اصلاح کی کسی تجویز کو صحیح و برحق مان لینے کے بعد یہ سوال کرنا کہ "کیا یہ قابل عمل بھی ہے؟" دوسرے الفاظ میں یہ کہنا ہے کہ خدا کی اس خدائی میں کوئی غلطی ناگزیر بھی ہے اور کوئی راستی ناقابل عمل بھی پائی جاتی ہے یہ دراصل فطرت اور اس کے نظام کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک

ایسے فاسد نظامِ کائنات میں سانس لے رہے ہیں جس میں ہماری بعض حقیقی ضرورتیں غلطیوں اور بدکاریوں سے وابستہ کر دی گئی ہیں اور بعض بھلائیوں کے دروازے جان بوجھ کر ہم پر بند کر دئے گئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی گذر کر یہ بات ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ فطرت خود اس قدر ٹیڑھی اور اوندھی واقع ہوئی ہے کہ جو کچھ خود اُس کے اپنے قوانین کی رو سے غلط ہے وہی اس کے نظام میں مفید اور ضروری اور قابلِ عمل ہے اور جو کچھ اُس کے قوانین کی رو سے صحیح ہے وہی اس کے نظام میں غیر مفید یا غیر ضروری یا ناقابلِ عمل ہے!

کیا واقعی ہماری عقل اور ہمارے علوم اور ہمارے تاریخی تجربات مزاجِ فطرت کو اسی بدگمانی کا مستحق ثابت کرتے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ فطرت بگاڑ کی حامی اور بناؤ کی دشمن ہے؟ اگر یہ بات ہے تب تو ہمیں اشیاء کی صحت اور غلطی کے متعلق اپنی ساری بحثیں لپیٹ کر رکھ دینی چاہئیں اور سیدھی طرح زندگی سے استعفا دے دینا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بعد تو ہمارے لئے امید کی ایک کرن بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر ہماری اور کائنات کی فطرت اس سوءظن کے لائق نہیں ہے تو پھر ہمیں یہ اندازِ فکر چھوڑ دینا چاہئے کہ "فلاں چیز ہے تو بُری مگر کام اُسی سے چلتا ہے' اور فلاں چیز ہے تو برحق مگر چلنے والی چیز نہیں ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو طریقہ بھی رواج پا جاتا ہے۔ انسانی معاملات اسی سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اس کو بدل کر دوسرے طریقے کو چلانا مشکل نظر آنے لگتا ہے۔ ہر رائج الوقت طریقے کا یہی حال ہے، خواہ وہ طریقہ بجائے خود صحیح ہو یا غلط۔ دشواری جو کچھ بھی ہے تغیر میں ہے اور سہولت کی اصل وجہ جمود کے سوا کچھ نہیں۔ مگر نادان لوگ اس سے دھوکا کھا کر یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جو غلطی رائج ہو چکی ہے انسانی معاملات بس اسی پر چل سکتے ہیں اور اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ قابلِ عمل ہی نہیں ہے۔

دوسری غلط فہمی اس معاملہ میں یہ ہے کہ لوگ تغیر کی دشواری کے اصل اسباب کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ تجویزِ تغیر کے سر پر ناقابلِ عمل ہونے کا الزام تھوپنے لگتے ہیں۔ آپ انسانی سعی کے امکانات کا جت

ہی غلط اندازہ لگائیں گے اگر رائج الوقت نظام کے خلاف کسی تجویز کو بھی ناقابل عمل سمجھیں گے۔ جس دُنیا میں انفرادی ملکیت کی تنسیخ اور اجتماعی ملک کی ترویج جیسی انتہائی انقلاب انگیز تجویز کو عمل میں لاکر دکھا دیا گیا ہو وہاں یہ کہنا کس قدر لغو ہے کہ سود کی تنسیخ اور زکوٰۃ کی تنظیم جیسی معتدل تجویزیں قابل عمل نہیں ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ رائج الوقت نظام کو بدل کر کسی دوسرے نقشے پر زندگی کی تعمیر کرنا ہر عمرو زید کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ کام صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن میں دو شرطیں پائی جاتی ہوں :-

ایک یہ کہ وہ فی الحقیقت پرانے نظام سے منحرف ہو چکے ہوں اور سچے دل سے اُس تجویز پر ایمان رکھتے ہوں جس کے مطابق نظام زندگی میں تغیر کرنا پیش نظر ہے۔

دوسرے یہ کہ ان میں تقلیدی ذہانت کے بجائے اجتہادی ذہانت پائی جاتی ہو۔ وہ محض اُس طرح کی ذہانت کے مالک نہ ہوں جو پرانے نظام کو اُس کے اماموں کی طرح چلائے جانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ بلکہ اُس درجے کی ذہانت رکھتے ہوں جو پامال راہوں کو چھوڑ کر نئی راہ بنانے کے لئے درکار ہوتی ہے۔

یہ دو شرطیں جن لوگوں میں پائی جاتی ہوں وہ کمیونزم اور نازی ازم اور فاشزم جیسے سخت انقلابی مسلکوں کی تجاویز تک عمل میں لا سکتے ہیں۔ اور ان شرطوں کا جن میں فقدان ہو وہ اسلام کے تجویز کے ہوئے انتہائی معتدل تغیرات کو بھی نافذ نہیں کر سکتے۔

ایک چھوٹی سی غلط فہمی اس معاملہ میں اور بھی ہے۔ تعمیری تنقید اور اصلاحی تجویز کے جواب میں جب عمل کا نقشہ مانگا جاتا ہے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک عمل کی جگہ شاید کاغذ ہے حالانکہ عمل کاغذ پر نہیں زمین پر ہوا کرتا ہے۔ کاغذ پر کرنے کا اصل کام تو صرف یہ ہے کہ دلائل اور شواہد سے نظام حاضر کی غلطیاں اور اُن کی مضرتیں واضح کر دی جائیں اور ان کی جگہ جو اصلاحی تجویزیں ہم عمل میں لانا چاہتے ہیں اِن کی معقولیت ثابت کر دی جائے۔ اِس کے بعد جو مسائل عمل سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے بارے میں کاغذ پر اِس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا کہ لوگوں کو ایک عام تصور اِس امر کا دیدیا جائے کہ پرانے نظام کے غلط طریقوں کو کس طرح مٹایا جا سکتا ہے اور اُن کی جگہ نئی تجویزیں کیونکر عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ رہا یہ کہ اس شکست و ریخت کی تفصیلی صورت کیا ہوگی اور اسکے جزوی پہلو

کیا ہونگے اور ہر ہر مرحلے میں پیش آنے والے مسائل کو حل کیسے کیا جائیگا' تو ان امور کو نہ تو کوئی شخص پیشگی جان سکتا ہے اور نہ کوئی جواب دے سکتا ہے۔ آپ اگر اس امر پر مطمئن ہوچکے ہوں کہ موجودہ نظام واقعی غلط ہے اور اصلاح کی تجویز بالکل معقول ہے تو عمل کی طرف قدم اُٹھائیے اور زمامِ کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیجئے جو ایمان اور اجتہادی ذہانت رکھتے ہوں۔ پھر جو عملی مسئلہ جہاں پیدا ہوگا اسی جگہ وہ حل ہوجائیگا۔ زمین پر چلنے کا کام آخر کاغذ پر کرکے کیسے دکھایا جاسکتا ہے؟

اس توضیح کے بعد یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس باب میں جو کچھ ہم پیش کریں گے وہ غیر سودی مالیات کا کوئی تفصیلی نقشہ نہ ہوگا بلکہ اس چیز کا صرف ایک عام تصور ہوگا کہ سود کو اجتماعی مالیات سے خارج کرنے کی عملی صورت کیا ہوسکتی ہے اور وہ بڑے بڑے مسائل جو اخراجِ سود کا خیال کرتے ہی بادی النظر میں آدمی کے سامنے آجاتے ہیں، کس طرح حل کیے جاسکتے ہیں۔

اصلاح کی راہ میں پہلا قدم پچھلے تین ابواب میں سود کی خرابیوں پر جو تفصیلی بحث کی گئی ہے اس سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اجتماعی معیشت اور نظامِ مالیات میں یہ سب خرابیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ قانون نے سود کو جائز کر رکھا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب ایک آدمی کے لئے سود کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو وہ اپنے ہمسائے کو قرضِ حسن کیوں دے، اور ایک کاروباری آدمی کے ساتھ نفع و نقصان کی شرکت کیوں اختیار کرے' اور اپنی قومی ضروریات کی تکمیل کے لئے مخلصانہ اعانت کا ہاتھ کیوں بڑھائے' اور کیوں نہ اپنا جمع کیا ہوا سرمایہ ساہوکار کے حوالہ کردے جبکہ اسے گھر بیٹھے ایک لگا بندھا منافع ملنے کی امید ہو۔ آپ انسانی فطرت کے بُرے میلانات کو ابھرنے اور کُھل کھیلنے کی کھلی چھٹی دے دینے کے بعد یہ توقع نہیں کرسکتے کہ بڑے وعظ و تلقین اور اخلاقی اپیلوں کے ذریعہ ہی سے آپ اُن کے نشو و نما اور نقصانات کو روک سکیں گے۔ پھر یہاں تو معاملہ صرف اس حد تک بھی محدود نہیں ہے کہ آپ نے ایک برے میلان کو محض کھلی چھٹی دے رکھی ہو۔ اس سے آگے آپ کا قانون تو اُلٹا اُس کا مددگار بنا ہوا ہے اور حکومت خود اسی برائی پر اجتماعی مالیات کے نظام کو چلا اور چلوا رہی ہے۔ اس حالت میں آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی قسم کی جزوی ترمیمات اور فروعی اصلاحات سے اس کی برائیوں کا سدِباب کیا

جا سکے۔ اِن کا سدّ باب اگر ہو سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ سب سے پہلے اس دروازے کو بند کیا جائے جس سے خرابی آرہی ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے کوئی غیر سودی نظام مالیات بن کر تیار ہو لے، پھر سود یا تو آپ سے آپ بند ہو جائیگا، یا اسے قانوناً بند کر دیا جائے گا، وہ درحقیقت گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنا چاہتے ہیں۔ جب تک سود ازروئے قانون جائز ہے، جب تک عدالتیں سودی معاہدوں کو تسلیم کر کے اِن کو بزور نافذ کر رہی ہیں، اور جب تک ساہوکاروں کے لئے یہ دروازہ کھلا ہے کہ سود کا لالچ دے کر گھر گھر سے روپیہ اکٹھا کریں اور پھر آگے اسے سود پر چلائیں، اس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی غیر سودی نظام مالیات وجود میں آئے اور نشوونما پا سکے۔ لہٰذا اگر سود کی بندش اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے ایسا کوئی مالی نظام چل کر جوان ہو لے جو موجودہ سودی نظام کی جگہ لے سکتا ہو تو یقین رکھئے کہ اس طرح قیامت تک سود کے بند ہونے کی نوبت نہیں آسکتی۔ یہ کام تو جب کبھی کرنا ہو اسی طرح کرنا پڑے گا کہ اول قدم ہی پر سود کو ازروئے قانون بند کر دیا جائے۔ پھر خود بخود ایک غیر سودی نظام مالیات پیدا ہو جائیگا اور ضرورت، جو ایجاد کی ماں ہے، آپ سے آپ اس کے لئے ہر گوشے میں بڑھنے اور پھیلنے کا راستہ بناتی چلی جائے گی۔

سود نفسِ انسانی کی جن بری صفات کا نتیجہ ہے اُن کی جڑیں اس قدر گہری اور ان کے تقاضے اس قدر طاقتور ہیں کہ ادھوری کارروائیوں اور ٹھنڈی ٹھنڈی تدبیروں سے کسی معاشرے میں اس بلا کا استیصال نہیں کیا جا سکتا۔ اس غرض کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ ساری تدبیریں عمل میں لائی جو اسلام تجویز کرتا ہے۔ اُسی سرگرمی کے ساتھ اس کے خلاف نبرد آزمائی کی جائے جیسی کہ اسلام چاہتا ہے۔ اسلام سودی کاروبار کی محض اخلاقی مذمت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایک طرف وہ اس کو مذہبی حیثیت سے حرام قرار دے کر اس کے خلاف شدید نفرت پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف جہاں جہاں اس کا سیاسی اقتدار اور حاکمانہ اثر و نفوذ جاری ہو وہاں وہ ملکی قانون کے ذریعہ سے اس کو ممنوع قرار دیتا ہے، تمام سودی معاہدوں کو کالعدم ٹھیراتا ہے، سود لینے اور دینے اور اس کی دستاویز لکھنے اور

اس پر گواہ بننے کو فوجداری جرم قابل دست اندازی پولیس قرار دیتا ہے، اور اگر کہیں یہ کاروبار معمولی سزاؤں سے بند نہ ہو تو اس کے مرتکبین کو قتل اور ضبطی جائداد تک کی سزائیں دیتا ہے۔ تیسری طرف وہ زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر اور حکومت کے ذریعہ سے اس کی تحصیل و تقسیم کا انتظام کر کے ایک دوسرے نظام مالیات کی داغ بیل ڈال دیتا ہے۔ اور ان سب تدبیروں کے ساتھ وہ تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عامۃ الناس کی اخلاقی اصلاح بھی کرتا ہے تاکہ ان کے نفس میں وہ صفات اور رجحانات دب جائیں جو سود خواری کے موجب ہوتے ہیں اور اس کے برعکس وہ صفات اور جذبات ان کے اندر نشوونما پائیں جن سے معاشرہ میں ہمدردانہ و فیاضانہ تعاون کی روح جاری و ساری ہو سکے۔

جو کوئی فی الواقع سنجیدگی و اخلاص کے ساتھ سود کا انسداد کرنا چاہتا ہو اسے یہ سب کچھ اسی طرح کرنا ہوگا۔

انسداد سود کے نتائج سود کی یہ قانونی بندش، جب کہ اس کے ساتھ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا اجتماعی انتظام بھی ہو، مالیات کے نقطۂ نظر سے تین بڑے نتائج پر منتج ہوگی:۔

(۱) اس کا اولین اور سب سے اہم نتیجہ یہ ہوگا کہ اجتماع سرمایہ کی موجودہ فساد انگیز صورت ایک صحیح اور صحت بخش صورت سے بدل جائیگی۔

موجودہ صورت میں تو سرمایہ اس طرح جمع ہوتا ہے کہ ہمارا اجتماعی نظام بخل اور جمع مال کے اُس میلان کو جو ہر انسان کے اندر طبعًا تھوڑا بہت موجود ہے، اپنی مصنوعی تدبیروں سے انتہائی مبالغے کی حد تک بڑھا دیتا ہے اور اُسے خوف اور لالچ، دونوں ذرائع سے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اپنی آمدنی کا کم سے کم حصہ خرچ اور زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ جمع کر کیونکہ پورے معاشرے میں کوئی نہیں ہے جو تیرے برے وقت پر کام آئے، اور جمع کر کیونکہ اس کا اجر تجھے سود کی شکل میں ملیگا۔ اس دوہری تحریص کی وجہ سے معاشرے کے وہ تمام افراد جو قدر کفاف سے کچھ بھی زائد آمدنی رکھتے ہیں، خرچ روکنے اور جمع کرنے پر تُل جاتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ منڈیوں میں اموال تجارت کی کھپت امکانی حد سے بہت کم ہوتی ہے۔ کھپت کی کمی روزگار کی

کمی پر اور روزگار کی کمی آمدنیوں کی کمی پر منتج ہوتی ہے۔ اور آمدنیاں جتنی کم ہوتی جاتی ہیں، صنعت و تجارت کی ترقی کے امکانات بھی اسی کے مطابق کم اور اجتماع سرمایہ کے مواقع کم تر ہوتے چلے جاتے ہیں اس طرح چند افراد کے اندوختوں کا بڑھنا اجتماعی معیشت کے گھٹنے کا موجب ہوتا ہے۔ ایک آدمی ایسے طریقے سے اپنی پس انداز کی ہوئی رقموں میں اضافہ کرتا ہے۔ جس سے ہزار آدمی سرے سے کچھ کمانے ہی کے قابل نہیں رہتے کجا کہ کچھ پس انداز کر سکیں۔

اس کے برعکس جب سود بند کر دیا جائے گا اور زکوٰۃ کی تنظیم کر کے ریاست کی طرف سے معاشرے کے ہر فرد کو اس امر کا اطمینان دلا دیا جائے کہ بڑے وقت پر اس کی دستگیری کا انتظام موجود ہے تو بخل و زراندوزی کے غیر فطری اسباب و محرکات ختم ہو جائیں گے۔ لوگ دل کھول کر خود بھی خرچ کریں گے اور نادار افراد کو بھی زکوٰۃ کے ذریعے اتنی قوت خریداری بہم پہنچا دیں گے کہ وہ خرچ کریں۔ اس سے صنعت و تجارت بڑھے گی۔ صنعت و تجارت کے بڑھنے سے روزگار بڑھے گا روزگار بڑھنے سے آمدنیاں بڑھیں گی۔ ایسے ماحول میں اول تو صنعت و تجارت کا اپنا منافع ہی اتنا بڑھ جائے گا کہ اس۔ خارجی سرمایہ کی اُتنی احتیاج باقی نہ رہے گی جتنی اب ہوتی ہے۔ پھر جس حد تک بھی اسے سرمایہ کی حاجت ہوگی وہ موجودہ حالت کی بہ نسبت بہت زیادہ سہولت کے ساتھ بہم پہنچ سکے گا۔ کیونکہ اُس وقت پس انداز کرنے کا سلسلہ بالکل بند نہیں ہو جائے گا، جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں، بلکہ کچھ لوگ تو اپنی پیدائشی افتادِ طبع کی بنا پر ہی اندوختہ کرتے رہیں گے، اور بیشتر لوگ آمدنیوں کی کثرت اور کمالِ آسودگی کی وجہ سے بھی پس انداز کریں گے۔ اس وقت یہ پس اندازی کسی بخل یا خوف یا لالچ کی بنا پر نہ ہوگی، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ لوگ اپنی ضرورت سے زیادہ کمائیں گے، اسلام کی جائز کی ہوئی مدات خرچ میں خوب دل کھول خرچ کرنے کے باوجود ان کے پاس بہت کچھ بچ رہے گا۔ اس بچی ہوئی دولت کو لینے والا کوئی محتاج آدمی بھی انکو نہ ملے گا، اس لئے وہ اسے ڈال رکھیں گے اور بڑی اچھی شرائط پر اپنی حکومت کو، اپنے ملک کی صنعت و تجارت کو، اور ہمسایہ ملکوں تک کو سرمایہ دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ جمع شدہ سرمایہ رُکنے کے بجائے چلنے کی طرف مائل رہیگا اور اجتماعی معیشت کی کھیتیوں کو اُن کی حاجت کے مطابق اور ضروریات کے موقع پر برابر ملتا چلا جائے گا۔ موجودہ نظام میں سرمایہ کو کاروبار کی طرف جانے کے لئے جو چیز آمادہ کرتی ہے وہ سود کا لالچ ہے' مگر یہی چیز اُس کے رُکنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ کیونکہ سرمایہ اکثر اس انتظار میں ٹھیرا رہتا ہے کہ زیادہ شرح سود ملے تو وہ کام میں لگے۔ نیز یہی چیز سرمایہ کے مزاج کو کاروبار کے مزاج سے منحرف بھی کر دیتی ہے۔ جب کاروبار چاہتا ہے کہ سرمایہ آئے تو سرمایہ کڑ جاتا ہے اور اپنی شرائط سخت کرتا چلا جاتا ہے۔ اور جب معاملہ برعکس ہوتا ہے تو سرمایہ کاروبار کے پیچھے دوڑتا ہے اور ہلکی شرائط پر برا بھلے برے کام میں لگنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب سود کا دروازہ از روئے قانون بند ہو جائیگا' اور تمام جمع شدہ رقموں پر الٹی زکوٰۃ ۲½ فی صدی سالانہ کے حساب سے لگنی شروع ہوگی تو سرمایہ کی یہ بدمزاجی ختم ہو جائے گی وہ خود اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ معقول شرائط پر جلدی سے جلدی کاروبار میں لگ جائے اور ٹھیرنے کے بجائے ہمیشہ کاروبار ہی میں لگا رہے۔

(۳) تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاروباری مالیات اور مالیات قرض کی مدیں بالکل الگ ہو جائینگی موجودہ نظام میں تو سرمایہ کی بہم رسانی زیادہ تر' بلکہ قریب قریب تمام تر ہوتی ہی صرف قرض کی صورت میں ہے' خواہ روپیہ لینے والا شخص یا ادارہ کسی نفع آور کام کے لئے لے یا غیر نفع آور کام کے لئے' اور خواہ عارضی ضرورت کے لئے لے یا کسی طویل المدت تجویز کے لیے۔ ہر صورت میں سرمایہ صرف ایک ہی شرط پر ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مقرر شرح سود پر اسے قرض حاصل کیا جائے۔ لیکن جب سود ممنوع ہو جائیگا تو قرض کی مد صرف غیر نفع آور اغراض کے لئے' یا جہاں تک کاروبار کا تعلق ہے عارضی ضروریات کے لئے مخصوص ہو جائے گی اور اس کا انتظام قرض حسن کے اصول پر کرنا ہوگا۔ جس اغراض' خواہ وہ صنعت و تجارت وغیرہ سے متعلق ہوں یا حکومتوں اور پبلک اداروں کی نفع بخش تجویزوں سے متعلق' ان سب کے لئے سرمایہ کی فراہمی قرض کے بجائے مضاربت (حصہ داری) کے اصول پر ہوگی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ بتائینگے کہ غیر سودی نظام مالیات میں یہ دونوں شعبے کس طرح کام کر سکتے ہیں۔

غیر سودی مالیات میں فراہمی قرض کی صورتیں

پہلے قرض کے شعبہ کو لیجئے، کیونکہ لوگ سب سے بڑھ کر جس شک میں مبتلا ہیں وہ یہی ہے کہ سود بند ہونے کے بعد قرض ملنا بھی بند ہو جائے گا۔ لہذا پہلے ہم یہی دکھائینگے کہ اس ناپاک رکاوٹ کے دور ہو جانے سے قرض کی فراہمی صرف یہی نہیں کہ بند نہ ہوگی، بلکہ موجودہ حالت سے زیادہ آسان ہوگی اور بدرجہا زیادہ بہتر صورت اختیار کرے گی۔

شخصی حاجات کے لیئے

موجودہ نظام میں شخصی حاجات کے لئے فراہمی قرض کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ غریب آدمی مہاجن سے، اور صاحب جائداد آدمی بنک سے سودی قرض حاصل کرے۔ دونوں صورتوں میں ہر طالب قرض کو ہر غرض کے لئے ہر مقدار میں روپیہ مل سکتا ہے اگر وہ مہاجن یا بنکر کو اصل و سود کے ملتے رہنے کا اطمینان دلا سکتا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ گناہ گاریوں کے لئے لینا چاہتا ہو یا فضول خرچیوں کے لئے یا حقیقی ضرورتوں کے لئے۔ بخلاف اس کے کوئی طالب قرض کہیں سے ایک پیسہ نہیں پا سکتا۔ اگر وہ اصل و سود کے ملنے کا اطمینان نہ دلا سکتا ہو، چاہے اسکے گھر ایک مردہ لاش ہی بے گور و کفن کیوں نہ پڑی ہو۔ پھر موجودہ نظام میں کسی غریب کی مصیبت اور کسی امیرزادے کی آوارگی دونوں ہی ساہوکار کے لئے کمائی کے بہترین مواقع ہیں، اور اس خود غرضی کے ساتھ سنگدلی کا یہ حال ہے کہ جو شخص سودی قرض کے جال میں پھنس چکا ہے اس کے ساتھ نہ سود کی تحصیل میں کوئی رعایت ہے نہ اصل کی بازیافت میں۔ کوئی یہ دیکھنے کے لئے دل ہی نہیں رکھتا کہ جس شخص سے ہم اصل و سود کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ کمبخت کس حال میں مبتلا ہے ——— یہ ہیں وہ "آسانیاں" جو موجودہ نظام شخصی حاجات میں فراہمی قرض کے لئے بہم پہنچاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ اسلام کا غیر سودی آفاقی نظام اس چیز کا انتظام کس طرح کریگا۔

اول تو اُس نظام میں فضول خرچیوں اور گناہ گاریوں کے لئے قرض کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ وہاں سود کے لالچ میں بے جا قرض دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس حالت میں قرض کا سارا لین دین

آپ سے آپ صرف معقول ضروریات تک محدود ہو جائیگا اور اُتنی ہی رقمیں لی اور دی جائیں گی جو مختلف انفرادی حالات میں صریح طور پر مناسب نظر آئینگی۔

پھر چونکہ اس نظام میں قرض لینے والے سے کسی نوعیت کا فائدہ اُٹھانا قرض دینے والے کے لئے جائز نہ ہوگا۔ اس لئے قرضوں کی واپسی زیادہ سے زیادہ آسان ہو جائے گی۔ کم سے کم آمدنی رکھنے والا بھی تھوڑی تھوڑی قسطیں دے کر بار قرض سے جلدی اور بآسانی سبکدوش ہو سکے گا۔ جو شخص کوئی زمین یا مکان یا اور کسی قسم کی جائداد رہن رکھے گا اس کی آمدنی سود میں کھپنے کے بجائے اصل میں وضع ہو گی اور اس طرح جلدی سے جلدی رقم قرض کی بازیافت ہو جائیگی۔ اتنی آسانیوں کے باوجود اگر شاذ و نادر کسی معاملہ میں کوئی قرض ادا ہونے سے رہ جائے تو بیت المال ہر آدمی کی پشت پر موجود ہوگا جو ادائیگی قرض میں اس کی مدد کرے گا۔ اور بالفرض اگر مدیون کچھ چھوڑے بغیر مر جائے تب بھی بیت المال اس کا قرض ادا کرنے کا ذمّہ دار ہوگا۔ ان وجوہ سے خوشحال و ذی استطاعت لوگوں کے لئے اپنے کسی حاجت مند ہمسائے کی ضرورت کے موقع پر اسے قرض دینا اُتنا مشکل اور ناگوار کام نہ رہیگا۔ جتنا اب موجودہ نظام میں ہے۔

اس پر بھی اگر کسی بندۂ خدا کو اس کے محلّے یا بستی سے قرض نہ ملے گا تو بیت المال کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہوگا۔ وہ جائیگا اور وہاں سے بآسانی قرض حاصل کرلے گا۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ بیت المال سے استمداد اِن اغراض کے لئے آخری چارۂ کار ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے شخصی حاجات میں ایک دوسرے کو قرض دینا معاشرے کے افراد کا اپنا فرض ہے اور ایک معاشرے کی صحت مندی کا معیار یہی ہے کہ اسکے افراد اپنی اِس طرح کی اخلاقی ذمہ داریوں کو خود ہی محسوس اور ادا کرتے رہیں۔ اگر کسی بستی کا کوئی باشندہ اپنے ہمسایوں سے قرض نہیں پاتا اور مجبور ہو کر بیت المال کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ صریحاً اس بات کی علامت ہے کہ اُس بستی کی اخلاقی آب و ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ اس لئے جس وقت اِس قسم کا کوئی معاملہ بیت المال میں پہنچ گا تو وہاں صرف اُس طالب قرض کی حاجت پوری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے گا بلکہ فوراً اخلاقی حفظانِ صحت کے محکمے کو اس "اردات" کی اطلاع

دی جائیگی اور وہ اسی وقت اُس بیمار بستی کی طرف توجہ کرے گا جس کے باشندے اپنے ایک بھائی کی ضرورت کے وقت اس کے کام نہ آئے۔ اس طرح کے کسی واقعہ کی اطلاع ایک صالح اخلاقی نظام میں وہی اضطراب پیدا کرے گی جو ہیضہ یا طاعون کے کسی واقعہ کی اطلاع ایک مادہ پرست نظام میں پیدا کیا کرتی ہے۔

شخصی حاجات کے لئے قرض فراہم کرنے کی ایک اور صورت بھی اسلامی نظام میں اختیار کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ تمام تجارتی کمپنیوں اور کاروباری اداروں پر اُن کے ملازموں اور مزدوروں کے جو کم سے کم حقوق ازروئے قانون مقرر کئے جائیں اُن میں ایک حق یہ بھی ہو کہ وہ اُن کی غیر معمولی ضرورت کے مواقع پر اُن کو قرض دیا کریں۔ نیز حکومت خود بھی اپنے اوپر ملازموں کا یہ حق تسلیم کرے اور اس کو فیاضی کے ساتھ ادا کرے۔ یہ معاملہ حقیقت میں صرف اخلاقی نوعیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی معاشی و سیاسی اہمیت بھی اُتنی ہی ہے جتنی اِس کی اخلاقی اہمیت ہے۔ آپ اپنے ملازموں اور مزدوروں کے لئے غیر سودی قرض کی سہولت بہم پہنچائینگے تو صرف ایک نیکی ہی کریں گے بلکہ اُن اسباب میں سے ایک بڑے سبب کو دور کر دینگے جو آپ کے کارکنوں کو فکر، پریشانی، خستہ حالی، جسمانی آزار اور مادی بربادی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اِن بلاؤں سے اُن کی حفاظت کیجئے۔ اُن کی آسودگی اُن کی قوتِ کار بڑھائے گی اور اُن کا اطمینان انہیں فساد انگیز فلسفوں سے بچائیگا۔ اِس کا نفع بہی کھاتے کی رو سے چاہے کچھ نہ ہو۔ لیکن کسی کو عقل کی بینائی میسر ہو تو وہ بآسانی دیکھ سکتا ہے کہ مجموعی طور پر پورے معاشرے ہی کے لئے نہیں، بلکہ فرداً فرداً ایک ایک سرمایہ دار و کارخانہ دار کے لئے اور ایک ایک معاشی و سیاسی ادارے کے لئے اُس کا نفع اُس سود سے بہت زیادہ قیمتی ہوگا جو آج مادہ پرست نظام میں محض احمقانہ تنگ نظری کی بنا پر وصول کیا جارہا ہے۔

کاروباری اغراض کے لئے

اس کے بعد اُن قرضوں کا معاملہ لیجئے جو کاروباری لوگوں کو اپنی آئے دن کی ضروریات کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ان مقاصد کے لئے یا تو بینکوں براہ راست قلیل المدت قرضے (Short term loans) حاصل کئے جاتے

ہیں، اپھر ہُنڈیاں (Bills of Exchange) بھُنائی جاتی ہیں، ان دونوں صورتوں میں بینک ایک ہلکی سی شرح سود اس پر لگاتے ہیں۔ یہ تجارت کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی کام آج تک نہیں چل سکتا۔ اس لئے جب کاروباری لوگ بندش سود کا نام سنتے ہیں تو انہیں سب سے پہلے جو فکر لاحق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پھر روزمرہ کی ان ضروریات کے لئے قرض کیسے ملیگا؟ اگر بینک کو سود کا لالچ نہ ہو تو آخر وہ کیوں ہمیں قرض دے گا اور کیوں ہماری ہنڈیاں بھُنائے گا؟

لیکن سوال یہ ہے کہ جس بینک کے پاس تمام رقوم امانت (Deposits) بلا سود جمع ہوں، اور جس کے پاس خود ان تاجروں کا بھی لاکھوں روپیہ بلا سود رکھا رہتا ہو، وہ آخر کیوں نہ اُن کو بلا سود قرض دے اور کیوں نہ ان کی ہُنڈیاں بھُنائے؟ وہ اگر سیدھی طرح اس پر راضی نہ ہوگا تو تجارتی قانون کے ذریعہ سے اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے کھاتہ داروں (Customers) کو یہ سہولت بہم پہنچائے۔ اُس کے فرائض میں یہ چیز شامل ہونی چاہیئے۔

درحقیقت اس کام کے لئے خود تاجروں کی اپنی رکھوائی ہوئی رقمیں ہی کافی ہو سکتی ہیں لیکن

لہ یہ وہی چیز ہے جس کے لئے ہماری اسلامی فقہ میں "سفاتج" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن تاجروں کا آپس میں بھی ایک دوسرے سے لین دین ہو اور بینک کے ساتھ بھی معاملہ ہو وہ نقد رقم ادا کئے بغیر بڑی مقدار میں ایک دوسرے سے مال قرض لے لیتے ہیں اور مہینہ، دو مہینے، چار مہینے کے لئے فریق ثانی کو ہنڈی لکھ کر دے دیتے ہیں۔ اگر فریق ثانی اس مدت مقررہ تک انتظار کر سکتا ہو تو انتظار کرتا ہے اور وقت آنے پر قرض ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دوران مدت میں اُس کو روپے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو وہ اس ہنڈی کو اس بینک میں داخل کر دیتا ہے جس سے دونوں فریقوں کا لین دین ہو اور اس سے رقم حاصل کر کے اپنا کام چلا لیتا ہے۔ اسی چیز کا نام ہنڈی بھنانا ہے۔

ضرورت پڑ جانے پر کوئی مضائقہ نہیں اگر بینک اپنے دوسرے ممبروں سے تھوڑا بہت اس غرض کے لئے استعمال کرلے۔ بہرحال سوائے یہ بات بالکل واجبی بھی ہے کہ جو سود لے نہیں رہا ہے وہ سود دے کیوں؟ اور اجتماعی معیشت کے نقطۂ نظر سے یہ مفید بھی ہے کہ تاجروں کو اپنی روزمرہ کی ضروریات کے لئے بلا سود قرض ملتا رہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر اس لین دین میں بینک کو سود نہ ملے تو وہ اپنے مصارف کیسے پورے کرے گا؟ اس کا جواب یہ کہ جب چالو کھاتوں (Current Account) کی ساری رقمیں بینک کے پاس بلا سود رہیں گی تو اس کے لئے انہی رقموں میں سے دست گرداں قرضے بلا سود دینا کوئی نقصان دہ معاملہ نہ رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں حساب کتاب اور دفترداری کے جو تھوڑے بہت مصارف بینک کو برداشت کرنے ہونگے اُن سے کچھ زیادہ ہی فوائد ان رقموں سے حاصل کرلیگا جو اس کے پاس جمع ہونگی۔ ہم اگر بالفرض یہ طریقہ قابل عمل نہ ہو تو اسمیں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ بینک یہی اس طرح کی خدمات کیلئے ایک ماہوار یا ششماہی فیس اپنے تمام تجارت پیشہ کھاتہ داروں پر عائد کردے جو اس کے مصارف پورا کرنے کیلئے کافی ہو۔ سود کی بہ نسبت یہ فیس ان لوگوں کو بہت سستی پڑے گی اس لئے وہ بخوشی اسے گوارا کرلیں گے۔

حکومتوں کی غیر نفع آور ضروریات کیلئے تیسری اہم مد اُن قرضوں کی ہے جو حکومتوں کو کبھی وقتی حوادث کے لئے، اور کبھی غیر نفع آور ملکی ضروریات کے لئے اور کبھی جنگ کے لئے لینے ہوتے ہیں۔ موجودہ نظام مالیات میں ان سب مقاصد کے لئے روپیہ تمام تر قرض اور وہ بھی سودی قرض کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اسلامی نظام مالیات میں یہ عین ممکن ہوگا کہ اِدھر حکومت کی طرف سے ضرورت کا اظہار ہو اور اُدھر قوم کے افراد اور ادارے خود لا لاکر چندوں کے ڈھیر اس کے سامنے لگا دیں اس لئے کہ سود کی بندش اور زکوٰۃ کی تنظیم لوگوں کو اس قدر آسودہ اور مطمئن کردیگی کہ انہیں اپنے اندوختے (Savings) اپنی حکومت کو یونہی دے دینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اس پر بھی اگر بقدر ضرورت روپیہ نہ ملے تو حکومت قرض مانگے گی اور لوگ دل کھول کر اسے قرض حسن دینگے۔ لیکن اگر اس سے بھی ضروریات پوری نہ ہوسکیں، تو اسلامی حکومت اپنا کام چلانے

کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کر سکتی ہے :-

(۱) زکوٰۃ و خمس کی رقمیں استعمال کرے۔

(۲) تمام بینکوں سے ان کی رقوم امانت کا ایک مخصوص حصہ حکماً طلب کرے جس کا اسے اتنا ہی حق پہنچتا ہے جتنا وہ افرادِ قوم سے لازمی فوجی خدمت (Conscription) طلب کرنے اور لوگوں سے ان کی عمارتیں اور موٹریں اور دوسری چیزیں بزور حاصل کرنے (Riequisition) حق رکھتی ہے۔

(۳) بدرجۂ آخر وہ اپنی ضرورت کے مطابق نوٹ چھاپ کر بھی کام چلا سکتی ہے جو دراصل قوم ہی سے قرض لینے کی ایک دوسری صورت ہے۔

بین الاقوامی ضروریات کے لئے اب رہے بین الاقوامی قرضے، تو اس معاملہ میں یہ تو بالکل ظاہر ہی ہے کہ موجودہ سود خوار دنیا میں ہم اپنی قومی ضرورت کے موقع پر کہیں سے ایک پیسہ بلا سود قرض پانے کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس پہلو میں تو ہم کو تمام تر کوشش یہی کرنی ہوگی کہ ہم بیرونی قوموں سے کوئی قرض نہ لیں، کم از کم اُس وقت تک تو ہرگز نہ لیں جب تک کہ ہم خود دوسروں کو اس امر کا نمونہ نہ دکھا دیں کہ ایک قوم اپنے ہمسایوں کو کس طرح بلا سود قرض دے سکتی ہے۔ رہا قرض دینے کا معاملہ تو جو بحث اس سے پہلے ہم کر چکے ہیں، اس کے بعد شاید کسی صاحب نظر آدمی کو بھی یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا کہ اگر ایک دفعہ ہم نے ہمت کر کے اپنے ملک میں ایک صالح مالی نظام بندشِ سود اور تنظیم زکوٰۃ کی بنیاد پر قائم کر لیا تو یقیناً بہت جلدی ہماری مالی حالت اتنی اچھی ہو جائیگی کہ ہمیں نہ صرف خود باہر سے قرض لینے کی حاجت نہ ہوگی بلکہ ہم اپنے گردوپیش کی حاجت مند قوموں کو بلا سود قرض دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ اور جس روز ہم یہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے وہ دن دورِ جدید کی تاریخ میں صرف مالی اور معاشی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ سیاسی اور تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے بھی ایک انقلاب انگیز دن ہوگا۔ اُس وقت یہ امکان پیدا ہو جائیگا کہ ہمارا اور دوسری قوموں کا تمام لین دین غیر سودی بنیاد پر ہو۔ یہ بھی ممکن ہوگا کہ دُنیا کی قومیں یکے بعد دیگر باہم ایسے معاہدات طے کرنے شروع کر دیں کہ وہ ایک دوسرے سے سود نہیں لیں گی۔ اور بعید نہیں کہ وہ دن بھی ہم دیکھ سکیں جب بین الاقوامی دائرے عام سود خواری

کے خلاف بالاتفاق اُسی نفرت کا اظہار کرنے لگے جس کا اظہار ۱۹۴۵ء میں بریٹن ووڈس کے معاملہ پر انگلستان میں کیا گیا تھا۔ یہ محض ایک خیالی پلاؤ نہیں ہے، بلکہ فی الواقع آج بھی دُنیا کے سوچنے والے دماغ یہ سوچ رہے ہیں کہ بین الاقوامی قرضوں پر سود لگنے سے دنیا کی سیاست اور معیشت، دونوں پر نہایت بُرے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کو چھوڑ کر اگر خوشحال ممالک اپنی فاضل دولت کے ذریعے سے خستہ حال اور آفت رسیدہ ممالک کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے قابل بنانے کی مخلصانہ وہمدردانہ کوشش کریں تو اس کا دوہرا فائدہ ہوگا۔ سیاسی و تمدنی حیثیت سے بین الاقوامی بدمزگی بڑھنے کے بجائے محبت اور دوستی بڑھیگی۔ اور معاشی حیثیت سے ایک خستہ حال دیوالیہ مُلک خون چوسنے کی بہ نسبت ایک خوشحال اور مالدار ملک کے ساتھ کاروبار کرنا بدرجہا زیادہ نافع ثابت ہوگا۔ یہ حکمت کی باتیں سوچنے والے سوچ رہے ہیں، اور کہنے والے کہہ رہے ہیں، لیکن ساری کسر بس اس بات کی ہے کہ دنیا میں کوئی حکیم قوم ایسی نہیں ہے جو پہلے اپنے گھر سے سود خواری کو نکالے اور پھر آگے بڑھ کر بین الاقوامی لین دین سے اس لعنت کو خارج کرنے کی عملاً ابتدا کر دے۔

<u>نفع آور اغراض کیلئے سرمایہ کی بہم رسانی</u> مالیاتِ قرض کے بعد اب ایک نظریہ بھی دیکھ لیجیے کہ ہمارے پیشِ نظر نظام میں کاروباری مالیات کیا شکل اختیار کریں گے۔ اس سلسلہ میں جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، سود کا انسداد لوگوں کے لئے یہ دروازہ تو قطعی بند کر دے گا کہ وہ محنت اور خطرہ (Risk) دونوں چیزوں سے بچ کر اپنے سرمائے کو تحفظ اور تعین منافع کی ضمانت کے ساتھ کسی کام میں لگا سکیں۔ اور اسی طرح زکوٰۃ ان کے لئے اس دروازے کو بھی بند کر دے گی کہ وہ اپنا سرمایہ روک رکھیں اور اُس پر مارِ زریں کر بیٹھ جائیں۔ مزید براں ایک حقیقی اسلامی حکومت کی موجودگی میں لوگوں کے لئے عیاشیوں اور فضول خرچیوں کا دروازہ بھی کھلا نہ رہیگا کہ اُن کی فاضل آمدنیاں اِدھر بہ نکلیں۔ اِس کے بعد لامحالہ اُن تمام لوگوں کو جو ضرورت سے زائد آمدنی رکھتے ہوں، دو راستوں میں سے کوئی ایک راستہ ہی اختیار کرنا پڑیگا:

اگر وہ مزید آمدنی کے طالب نہ ہوں تو اپنی بچت کو رفاہ عام کے کاموں میں صرف کریں خواہ

اس کی صورت یہ ہو کہ وہ خود کسی کارِ خیر پر اسے وقف کریں، یا یہ ہو کہ قومی اداروں کو چندے اور عطیئے دیں، یا پھر یہ ہو کہ بے غرضانہ و مخلصانہ طریقہ سے اسلامی حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ اسے امور نافعہ اور ترقیات عامہ اور اصلاح خلق کے کاموں پر صرف کرے۔ بخصوصیت کے ساتھ آخری صورت کو زیادہ ترجیح دی جائیگی جبکہ حکومت کا نظم و نسق ایسے کارکنوں کے ہاتھوں میں ہو جن کی دیانت اور فراست پر عموماً لوگوں کو بھروسہ ہو۔ اس طرح اجتماعی مصالح اور ترقی و بہبود کے کاموں کے لئے حکومت کو اور دوسرے اجتماعی اداروں کو سرمائے کی ایک کثیر مقدار ہمیشہ مفت ملتی رہے گی جس کا سود یا منافع تو درکنار اصل ادا کرنے کے لئے بھی عوام الناس پر ٹیکس کا کوئی بار نہ پڑے گا۔

اور اگر وہ مزید آمدنی کے خواہشمند ہوں تو ان کے لئے اس چیز کے حصول کا صرف ایک راستہ کھلا ہوگا، یہ کہ اپنی بچائی ہوئی رقموں کو مضاربت (یعنی نفع اور نقصان میں متناسب شرکت) کے اصول پر نفع بخش کاموں میں لگائیں، خواہ براہ راست خود، یا حکومت کی توسط سے، یا بینکوں کے توسط سے۔

خود لگانا چاہیں گے تو ان کو کسی کاروبار میں شرکت کی شرائط آپ طے کرنی ہونگی جن میں از روئے قانون اس امر کا تعین ضروری ہوگا کہ فریقین کے درمیان نفع اور نقصان کی تقسیم کس تناسب سے ہوگی۔ علی ہذا القیاس مشترک سرمائے کی کمپنیوں میں بھی شرکت کی صورت ... بھی ایک ... ہوگی کہ سیدھے سادے حصے خرید لئے جائیں۔ بانڈ اور ڈبنچر اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، جن کے خریدار کو کمپنی سے ایک لگی بندھی آمدنی ملتی ہے، سرے سے موجود ہی نہ ہوں گی۔

حکومت کے توسط سے لگانا چاہیں گے تو انہیں امور نافعہ سے متعلق حکومت کی کسی اسکیم میں حصہ دار بننا ہوگا۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ حکومت برق آبی کی کوئی تجویز عمل میں لانا چاہتی ہے وہ اس کا اعلان کر کے پبلک کو اس میں شرکت کی دعوت دیگی۔ جو اشخاص یا ادارے یا بینک اس میں سرمایہ دیں گے وہ حکومت کے ساتھ اس میں حصہ دار بن جائینگے اور اس کے کاروباری منافع میں سے ایک طے شدہ تناسب کے مطابق حصہ پاتے رہینگے۔ نقصان ہوگا تو اس کا بھی متناسب حصہ ان سب پر اور حکومت پر تقسیم ہو جائیگا۔ اور حکومت اس امر کی بھی حق دار ہوگی کہ ایک ترتیب کے ساتھ بتدریج لوگوں کے

حصے خود خریدتی چلی جائے یہاں تک کہ چالیس پچاس سال میں برق آبی کا وہ پورا کام خالص سرکاری ملک بن جائے۔

مگر موجودہ نظام میں بھی سب سے زیادہ قابل عمل اور مفید تیسری صورت ہی ہو گی یعنی یہ کہ لوگ بینکوں کے توسط سے اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگائیں اسلئے ہم اس کو ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اس امر کی صاف تصویر آجائے کہ سود کو ساقط کرنے کے بعد بینکنگ کا کاروبار کس طرح چل سکتا ہے اور نفع کے طالب لوگ اس سے کس طرح متمتع ہو سکتے ہیں۔

بینکنگ کی اسلامی صورت بینکنگ کے متعلق اس سے پہلے ہم نے جو بحث کی ہے اس کا یہ مطلب نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے کہ یہ کام سرے سے ہی غلط اور ناجائز ہے۔ دراصل بینکنگ بھی موجودہ تہذیب کی پرورش کی ہوئی بہت سی چیزوں کی طرح ایک ایسی اہم اور مفید چیز ہے جس کو صرف ایک شیطانی عنصر کی شمولیت نے گندہ کر رکھا ہے اول تو وہ بہت سی ایسی جائز خدمات انجام دیتا ہے جو موجودہ زمانے کی تمدنی زندگی اور کاروباری ضروریات کے لئے مفید بھی ہیں اور ناگزیر بھی۔ مثلاً رقموں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا اور ادائیگی کا انتظام کرنا، بیرونی ممالک سے لین دین کی سہولتیں بہم پہنچانا، قیمتی اشیاء کی حفاظت کرنا، اعتماد نامے (Letters of Credit)، سفری چک اور گشتی نوٹ جاری کرنا، کمپنیوں کے حصوں کی فروخت کا انتظام کرنا۔ اور بہت سی وکیلانہ خدمات (Agency services) جنہیں تھوڑے سے کمیشن پر بینک کے سپرد کر کے آج ایک مصروف آدمی بہت سے جھنجھٹوں سے خلاصی پا لیتا ہے۔ یہ وہ کام ہیں جنہیں بہرحال جاری رہنا چاہئے۔ اور ان کیلئے ایک مستقل ادارے کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ بات بھی بجائے خود تجارت، صنعت، زراعت اور ہر شعبہ تمدن و معیشت کے لئے نہایت مفید اور آج کے حالات کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے کہ معاشرے کا فاضل سرمایہ بکھرا ہوا رہنے کے بجائے ایک مرکزی ذخیرے (Reservoir) میں مجتمع ہو اور وہاں سے وہ زندگی کے ہر شعبے کو آسانی کے ساتھ ہر وقت ہر جگہ بہم پہنچ سکے۔ اور اس کے ساتھ عام افراد کے لئے

بھی اس میں بڑی مدد ملتی ہے کہ لوگ الگ الگ بطورِ خود ڈھونڈتے پھرنے کے بجائے سب اس کو ایک مرکزی ذخیرے میں جمع کرا دیا کریں اور وہاں ایک قابلِ اطمینان طریقے سے اجتماعی طور پر ان سب کے سرمائے کو کام پر لگانے اور حاصل شدہ منافع کو ان پر تقسیم کرنے کا انتظام ہوتا ہے ان سب پر مزید یہ کہ مستقل طور پر مالیات (Finance) ہی کا کام کرتے رہنے کی وجہ سے بینک کے منتظمین اور کارکنوں کو اس شعبۂ فن میں ایک ایسی مہارت اور بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جو تاجروں، صناعوں اور دوسرے معاشی کارکنوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ماہرانہ بصیرت بجائے خود ایک نہایت قیمتی چیز ہے اور بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ یہ محض ساہوکاروں کی خود غرضی کا ہتھیار بن کر نہ رہے بلکہ کاروباری لوگوں کے ساتھ تعاون میں استعمال ہو۔ لیکن بینکنگ کی ان ساری خوبیوں اور منفعتوں کو جس چیز نے الٹ کر پورے تمدن کے لئے برائیوں اور مضرتوں سے بدل دیا ہے وہ سود ہے، اور اس کے ساتھ دوسری بنائے فاسد یہ بھی شامل ہو گئی ہے کہ سودی کشش سے جو سرمایہ کھنچ کھنچ کر بینکوں میں مرتکز ہوتا ہے وہ عملاً چند خود غرض سرمایہ داروں کی دولت بن کر رہ جاتا ہے جسے وہ نہایت دشمنِ اجتماع طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ ان دو خرابیوں کو اگر دور کر دیا جائے تو بینکنگ ایک پاکیزہ کام بھی ہو جائیگا، تمدن کے لئے بھی موجودہ حالت کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ نافع ہوگا، اور عجب نہیں کہ خود ساہوکاروں کے لئے بھی سود خواری کی بہ نسبت یہ دوسرا پاکیزہ طریقِ کار مالی حیثیت سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انسدادِ سود کے بعد بینکوں میں سرمایہ اکٹھا ہونا ہی بند ہو جائیگا۔ وہ غلطی پر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب سود ملنے کی توقع ہی نہ ہوگی تو لوگ کیوں اپنی فاضل آمدنیاں بینک میں رکھوائیں گے۔ حالانکہ اس وقت سود کی نہ سہی، نفع ملنے کی توقع تو ضرور ہوگی، اور چونکہ نفع کا امکان غیر متعین اور غیر محدود ہوگا اس لئے عام شرحِ سود کی بہ نسبت کم نفع حاصل ہونے کا جس قدر امکان ہوگا اسی قدر زیادہ اچھا خاصا زیادہ نفع ملنے کا امکان بھی ہوگا۔ اس کے ساتھ بینک وہ تمام خدمات بدستور انجام دیتے رہیں گے جن کی خاطر اب لوگ بینکوں کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بالکل ایک یقینی بات ہے کہ جس مقدار میں اب سرمایہ بینکوں کے پاس آتا ہے اسی مقدار میں انسدادِ سود کے بعد بھی آتا رہیگا، بلکہ اس

* مع سہولت ہے کہ جو تھوڑا بہت سرمایہ ان کی ضرورت سے بچ رہتا ہے اسے وہ کسی نفع بخش کام میں لگا سکتے ہیں *

وقت چونکہ ہر طرح کے کاروبار کو زیادہ فروغ حاصل ہوگا، روزگار بڑھ جائے گا، اور آمدنیاں بھی بڑھ جائیں گی، اس لئے موجودہ حالت کی بہ نسبت کہیں بڑھ چڑھ کر فاضل آمدنیاں بینکوں میں جمع ہوں گی اس جمع شدہ سرمایہ کا جس قدر حصہ چالو کھاتے یا عندالطلب کھاتے میں ہوگا اس کو تو بینک کسی نفع بخش کام میں نہ لگا سکیں گے، جس طرح اب بھی نہیں لگا سکتے ہیں، اس لئے وہ زیادہ تر دو قسم کے کاموں میں استعمال ہوگا۔ ایک روزمرہ کا لین دین۔ دوسرے کاروباری لوگوں کو قلیل المدت قرضے بلا سود دینا اور ہنڈیاں بلا سود بھنانا۔ زیادہ سرمایہ جو لمبی مدت کے لئے بینکوں میں رکھا جائیگا تو اسے وہ سودی قرض پر چلانے کے بجائے بڑی اچھی طرح مضاربت کے اصولوں پر تجارتی کاروبار میں، صنعتی اسکیموں میں، زراعتی کاموں میں، اور پبلک اداروں اور حکومتوں کے نفع آور کاموں میں لگا سکیں گے، اور اس سے بحیثیت مجموعی دو عظیم الشان فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ ساہوکار کا مفاد کاروبار کے مفاد کے ساتھ متحد ہو جائیگا اس لئے کاروبار کی ضرورت کے مطابق سرمایہ اس کی پشتیبانی کرتا رہیگا اور وہ اسباب قریب قریب ختم ہو جائینگے جن کی بنا پر موجودہ سودخوار دنیا میں کساد بازاری کے دورے پڑا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ساہوکار کی مالیاتی بصیرت اور کاروباری لوگوں کی تجارتی و صنعتی بصیرت جو آج باہم نبرد آزمائی کرتی رہتی ہیں اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ دستیاری اور تعاون کریں گی اور یہ سب ہی کے لئے مفید ہوگا۔ پھر جو منافع ان ذرائع سے بینکوں کو حاصل ہوں گے اُن کو وہ اپنے انتظامی مصارف نکالنے کے بعد ایک مقرر تناسب کے مطابق اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیں گے۔ اس معاملہ میں فرق صرف یہ ہوگا کہ بحالت موجودہ منافع (Dividends) حصہ داروں میں تقسیم ہوتے ہیں اور کھاتہ داروں کو سود دے دیا جاتا ہے۔ اُس وقت دونوں میں منافع ہی تقسیم ہونگے اب کھاتہ داروں کو ایک متعین شرح کے مطابق سود ملا کرتا ہے۔ اس وقت شرح کا تعین نہ ہوگا بلکہ جتنے بھی منافع ہوں گے خواہ کم ہوں یا زیادہ، وہ سب ایک تناسب کے ساتھ تقسیم ہو جائینگے۔ نقصان اور دیوالیہ کا جتنا خطرہ اب ہے اُتنا ہی اس وقت بھی ہوگا۔ اب خطرہ اور اس کے بالمقابل غیر محدود نفع کا امکان، دونوں صرف بینک کے حصہ داروں کے لئے مخصوص ہیں۔ اُس وقت یہ

دونوں چیزیں کھاتہ داروں اور حصّہ داروں میں مشترک ہوجائیں گی۔

رہ گیا بینکنگ کا یہ نقصان کہ نفع کی کشش سے جو سرمایہ اُن کے پاس اکٹھا ہوتا ہے اس کی مجتمع طاقت پر عملاً صرف چند ساہوکار قابض و متصرف ہوتے ہیں تو اس کے تدارک کے لئے ہم کو یہ کرنا ہوگا کہ مرکزی ساہوکاری (Central Banking) کا سارا کام بیت المال یا اسٹیٹ بینک خود اپنے ہاتھ میں رکھے اور قوانین کے ذریعہ سے تمام پرائیویٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار اور دخل وضبط اس حد تک قائم کر دیا جائے کہ ساہوکار اپنی مالیات طاقت کا بیجا استعمال نہ کر سکیں۔

غیر سودی مالیات کا یہ مجمل نقشہ جو ہم نے پیش کیا ہے کیا اسے دیکھنے کے بعد بھی اس شبہ کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ سود کا انسداد قابل عمل نہیں ہے؟